© rasailojaraid.com

مولانا مودودیؒ کو سزاے موت اور رحم کی اپیل سے انکار

پروفیسر خورشید احمد

جرم وسزا کے تعلّق سے کم از کم تین پہلو ایسے ہیں جن کا فہم ضروری ہے:

ایک خالص قانونی پہلو ہے۔ اگر کسی نے جرم کیا ہے اور اس کو قانون کے مطابق سزا ملتی ہے تو یہ اس کے جرم کا فطری انجام ہے۔

اگر مجرم کو اپنی غلطی کا احساس اور اعتراف ہوتا ہے، اور وہ سزا کے ساتھ اپنے رب اور ان افراد سے جن کے حقوق پر اس نے ڈاکا ڈالا ہے، خلوصِ نیت سے معافی طلب کرتا ہے تو وہ اخلاقی طور پر اپنے آپ کو سدھارنے (rehabilitate) کے عمل کا آغاز کرتا ہے اور اس طرح اپنے دامن کے داغ دھوکر ایک نئی صاف ستھری زندگی کا آغاز کرتا ہے۔

جرم وسزا کے تعلّق کی ایک تیسری شکل بھی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص نے کوئی جرم نہ کیا ہو، مگر اس معصوم انسان کو ظلم کا نشانہ بنایا جائے اور ایسی سزا دی جائے جس کا وہ مستحق نہیں، تو اس سزا کا سارا وبال ان ظالموں پر ہے، جو ایک معصوم انسان پر یہ ظلم ڈھاتے ہیں اور مظلوم اس کی سزا بھگتتا ہے اور وہ اخلاقی و روحانی، ہر اعتبار سے کامیاب و کامران ہوتا ہے۔ اگر اس کی جان بھی تلف کر دی جائے، تو وہ شہادت اور حیاتِ جاودانی سے شادکام ہوتا ہے۔

یہ انسان کے لیے بڑا سخت امتحان ہے لیکن ہماری تاریخ اللہ کے ان نیک بندوں سے بھری پڑی ہے، جنھوں نے ظلم کے ہر وار کو برداشت کیا، لیکن ظلم کے آگے سر نہ جھکایا۔ اس کی تازہ ترین مثالیں بنگلہ دیش کی جماعت اسلامی کی قیادت کے دو گلہاے سرسبد نے پیش کی ہیں، یعنی محترم عبدالقادر مُلّا شہید اور محترم محمد قمرالزمان شہید۔ ان کو انصاف کا قتل کرتے ہوئے سیاسی انتقام کا نشانہ بنایا گیا اور دین حق کے سپاہی، تحریکِ اسلامی کے کارکن اور پاکستان کے نظریے سے وفاداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی پاداش میں موت کی سزادی گئی۔ انھیں لالچ بھی دیا گیا کہ ظالم حکمرانوں سے معافی کی درخواست کردو تو سزاے موت سے بچ سکتے ہو، لیکن انھوں نے اللہ اور حق سے وفاداری کو، محض جان بچانے کے لیے جھوٹے الزامات کو اُوڑھنے اور ظالموں سے رحم کی اپیل کرنے پر اپنی جاں، جانِ آفرین کے سپرد کردینے کو ترجیح دی اور اس طرح اہلِ حق کے لیے ایک اور روشن اور تابناک مثال رقم کردی۔

سلام اُسؐ پر کہ جسؐ کے نام لیوا ہر زمانے میں بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

اس موقعے پر جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا سیّدابوالاعلیٰ مودودیؒ کی مثال بھی ذہنوں میں تازہ کیجیے___ آپ کو اپنی روح وجد کرتی ہوئی محسوس ہوگی۔ بانیِ جماعت کو مئی ۱۹۵۳ء میں لاہور کی مارشل لاکورٹ نے قادیانی مسئلہ نامی کتابچہ لکھنے کی پاداش میں موت کی سزا سنائی اور مولانا کو پھانسی کے احاطے میں منتقل کردیا گیا، اور پھر انھیں پیغام دیا گیا کہ اگر آپ رحم کی اپیل کریں تو جان بخشی ہوسکتی ہے۔

مولانا محترم نے ایک لمحے کے توقف کے بغیر رحم کی اپیل کرنے سے انکار کردیا اور فرمایا کہ: ''اگر میرا وقت آگیا ہے تو کوئی مجھے بچا نہیں سکتا، اور اگر میرا وقت نہیں آیا تو یہ لوگ اُلٹے بھی لٹک جائیں تو میرا کوئی نقصان نہیں کرسکتے''۔ انھوں نے اپنی اہلیہ، اولاد اور ذمہ دارانِ جماعت کو بھی مشورہ دیا کہ کوئی کسی بھی شکل میں رحم کی اپیل نہ کرے اور فیصلہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دے۔ پھر ملک اور عالمِ اسلام میں شدید ردعمل کے دباؤ میں حکومت نے سزاے موت کو عمر قید میں تبدیل کردیا۔

مَیں اُس وقت اسلامی جمعیت طلبہ کراچی کا ناظم تھا اور ہم نے کراچی میں بڑے پیمانے پر احتجاج کیا۔ ایئرپورٹ پر اس وقت کے وزیراعظم محمدعلی بوگرا کے خلاف حکومت کی ساری پیش بندیوں کے باوجود بھرپور مظاہرہ کیا۔ اس لمحے ہم نے برادر عزیز ظفراسحاق انصاری کو لاہور روانہ کیا تاکہ مرکزی نظم سے رابطہ قائم کریں اور اگر ممکن ہو تو خود مولانا محترم سے بھی ملنے کی کوشش کریں۔ چند احباب کے تعاون سے ظفراسحاق بھائی، محترم مولانا مودودی سے سزاے موت کے عمرقید میں تبدیل ہونے کے اگلے ہی دن جیل میں ان سے ملے، اور ان سے یہ سوال کیا کہ: ''آپ نے رحم کی اپیل کیوں نہیں کی؟'' یہ تاریخی گفتگو ظفراسحاق انصاری نے میرے اصرار پر میرے گھر اپنی آواز میں محفوظ کرادی ہے، جسے ہدیۂ ناظرین کیا جارہا ہے:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری نے روایت کی ہے: ''مئی ۱۹۵۳ء میں، اچانک یہ خبر آئی کہ مولانا مودودیؒ کو سزائے موت سنا دی گئی ہے، تو خورشید بھائی اور خرم بھائی کے مشورے سے میں (کراچی سے) لاہور گیا، اور لاہور میں ایف سی کالج میں مقیم ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ جلد ہی جو سزا سنائی گئی تھی، اسے سزائے عمر قید میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس طرح ہم نے بھی ایک لحاظ سے اطمینان کا سانس لیا۔

میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ تاریخ کون سی تھی، لیکن سزائے موت منسوخ ہونے کے زیادہ سے زیادہ ایک دن بعد، ایک صبح اپنے دوست کی مدد سے مَیں بورسٹل جیل گیا، جہاں مولانا مودودی قید تھے۔

مولانا محترم اپنے معمول کے لباس میں ملبوس نہیں تھے، یعنی جیل ہی کا دیا ہوا لباس پہنے ہوئے تھے۔ مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ: ''بھئی آپ کیسے یہاں آ گئے؟''

میں نے ان سے کہا کہ: ''مولانا! میں نے سنا تھا کہ آپ کو یہ مشورہ دیا گیا تھا کہ سزائے موت کے بارے میں آپ رحم کی اپیل کریں۔ یہ تجویز جو دی گئی تو آپ نے کیا محسوس کیا؟''

بالکل غیر جذباتی انداز میں انھوں نے کہا کہ جب یہ بات کہی گئی تو میرے دماغ میں معاً تین باتیں آئیں:

- پہلی بات یہ تھی کہ میں شہادت کا مستحق ہوں یا نہ ہوں، یہ چیز لگتا ہے کہ اب میرے نصیب میں ہے، یعنی میرے لیے اس کا موقع ہے۔ پہلے خیال آیا کہ اتنی بڑی چیز سے میں خود دست کش ہو جاؤں اور کہوں کہ یہ مجھے نہیں چاہیے، تو یہ بڑی عجیب سی بات ہو گی۔
- دوسرے یہ کہ اس ظالمانہ حکم کے خلاف رحم کی اپیل کرنا، میرے لیے عزتِ نفس کی بھی بات ہے اور میں اس کے لیے تیار نہیں پاتا کہ اس کو قربان کر دوں۔
- تیسری یہ کہ سب کچھ جانتے ہوئے کہ یہ لوگ ظلم کے طور پر یہ اقدام کرنا چاہتے ہیں، اس کے خلاف رحم کی اپیل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی پوری قوم کو شرم و حیا کے جذبات سے عاری کر دوں۔

—— اور مسکرا کر کہنے لگے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اپنی قوم کو یہ 'سزا' دوں۔

یہ مختصر سی گفتگو تھی جو دو یا تین منٹ کی تھی۔ میں نے کوشش کی ہے کہ انھی الفاظ میں اسے یادداشت سے بیان کر دوں۔

© rasailojaraid.com